تربیت اولاد میں صرف انسانی کوششیں کام نہیں آسکتیں

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کی دعائیں مانگنا ضروری ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ / جون ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں:

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۲﴾
وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۳﴾
وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۴﴾
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ
وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۵﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا
صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ
مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۷﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ
فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۸﴾ (الفرقان: ۷۲ تا ۷۸)

پھر فرمایا:

قرآن کریم کی یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے یہ سورہ الفرقان کی آخری چند آیات ہیں۔ ان کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ جو توبہ کرتا ہے اور توبہ کے بعد نیک اعمال بجا لاتا ہے

فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا یہی وہ شخص ہے جو حقیقی معنوں میں خدا کی طرف بڑی سچی توبہ کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے۔

یہاں توبہ کے مضمون کو دو دفعہ باندھا ہے۔ پہلے توبہ کا ذکر فرمایا پھر اس کے معاً بعد عَمِلَ صَالِحًا فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کی تعریف میں صرف منفی پہلو نہیں بلکہ حقیقی توبہ میں ایک مثبت پہلو بھی شامل ہے۔ عام طور پر توبہ سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہوں سے بچنے کا عہد کرنا توبہ ہے۔ لیکن قرآن کریم خلا کا قائل نہیں اور کائنات میں خلا حقیقت میں کہیں بھی موجود نہیں۔ خلا کا معنی ہی نفی ہے اور یہ ایک ایسا لفظ ہے جو اپنی ذات کی نفی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پس یہ وہم کہ دنیا میں کہیں خلا ہے یا ساری کائنات میں کہیں خلا ہے یہ محض واہمہ ہے اس میں کچھ بھی حقیقت نہیں۔ جس جگہ آپ خلا سمجھتے ہیں وہاں ماحول سے کچھ نہ کچھ اندر سرایت کر کے اس جگہ کو بھرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو بدیوں کا ہٹنا اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ بدیوں کا ہٹنا صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ کسی اور کے لئے جگہ خالی کی جارہی ہے۔ جس طرح کوئی معزز انسان کسی مجلس میں آئے تو بیٹھے ہوئے لوگ سرک کر اس کے لئے جگہ بنانے لگتے ہیں۔ یہی نقشہ قرآن کریم نے توبہ کا کھینچا ہے کہ محض گناہوں کو دور کرنے کی خاطر نہیں بلکہ نیکیوں کو جگہ دینے کے لئے دور کرو اور یہی مضمون **حسنة** اور **سیئة** کے تقابل میں جگہ جگہ پیش کیا گیا ہے۔

تو فرمایا توبہ تو وہی توبہ ہے جس کے بعد عمل صَالِحًا اس کی پیروی میں چلے آئیں اور تمہارے دل کے خلاؤں کو بھر دیں اور تمہارے اعمال کے خلاؤں کو بھر دیں۔ فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا یہی وہ شخص ہے حقیقت میں جو اللہ کی طرف سچی توبہ کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا وہ لوگ جو جھوٹ کی گواہی نہیں دیتے یا جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ یہ اس کا عام ترجمہ ہے جو اولین ترجمہ شمار ہوتا ہے لیکن اس میں یہ بات بڑی شدت کے ساتھ شامل پائی جاتی ہے کہ وہ کسی قیمت پر بھی جھوٹ نہیں بولتے۔ جھوٹی گواہی دینا بعد کی بات ہے جس شخص کو ایسا ماحول جس میں ہر طرف سے دباؤ ہوں جھوٹی گواہی دینے پر مجبور نہ کر سکے۔ ایسا شخص لازماً اپنی عام زندگی میں بہت ہی سچا انسان ہوتا ہے اور

لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کا یہ بھی معنی ہے کہ جھوٹ پر جھانکتے بھی نہیں، جھوٹ کو دیکھتے بھی نہیں، جھوٹ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں رمضان کے مہینے کے بارے میں یہی لفظ استعمال ہوا کہ جس نے رمضان کا مہینہ دیکھا۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے رمضان کا مہینہ پایا۔ تو جھوٹ کے ساتھ ان کا دور کا بھی علاقہ نہیں وہ جھوٹ پر جھانکتے بھی نہیں۔ پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا انہی معنوں میں یہ دوسرا مضمون بہت ہی خوبصورت رنگ میں پہلے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ جو لوگ جھوٹ کو نہیں دیکھتے وہ لغو چیزوں کو بھی نہیں دیکھتے۔ پس جب وہ ایسی مجالس سے گزرتے ہیں جہاں بے ہودگیاں ہوں، جہاں ناپسندیدہ حرکات ہوں تو اغماض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ تو بہت ہی حسین منظر ہے سچے لوگوں کا کہ نہ وہ جھوٹ کو دیکھتے ہیں، نہ ایسی چیزوں کو جن میں جھوٹ کی آمیزش ہو اور عزت نفس کو قائم رکھتے ہوئے وقار کے ساتھ وہ ایسی مجالس کے پاس سے گزر جاتے ہیں جہاں لغو باتیں جو درحقیقت جھوٹ کی آلائش رکھنے والی باتیں ہوتی ہیں کیونکہ جھوٹ کا معنی صرف یہ نہیں کہ خلاف واقعہ بات بیان کی جائے بلکہ لغو میں جھوٹ کا عنصر اس طرح شامل ہے کہ خیالی اور فرضی دلچسپیاں جو زبردستی بتائی جاتی ہیں اور ان کا انسانی زندگی کی حقیقت سے کوئی گہرا تعلق نہیں ہوتا۔

پس ایسی تمام دلچسپیاں جیسے جوا ہے اور اس قسم کی لغویات ہیں جو درحقیقت مصنوعی طور پر انسانی زندگی کو الجھانے کے لئے بنائی جاتی ہیں یہ ساری جھوٹ ہیں۔ تو جھوٹ کے مضمون کو زیادہ لطافت کے ساتھ مزید وضاحت کے ساتھ یوں بیان فرمادیا کہ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب بھی خدا تعالیٰ کی آیات ان پر پڑھی جاتی ہیں لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا وہ ان سے ایسا سلوک نہیں کرتے جیسا کوئی باتیں سننے والا بہرہ ہو یا کوئی مخاطب اندھا ہو جس پر نہ کلام کا حسن اثر کرے نہ کلام کرنے والے کا حسن اثر کرسکتا ہو۔ دو ہی طرح سے انسانی زندگی متاثر ہوا کرتی ہے۔ یا تو نصیحت سن کر یا نصیحت کرنے والے کے حسن سے متاثر ہو کر۔ تو صُمًّا وَّ عُمْيَانًا میں یہ دونوں مضمون اس طرح باندھ کر بیان کر دیئے گئے کہ بعض لوگ نصیحت کرنے والے کو دیکھا کرتے ہیں۔ اگر وہ صاحب وقار ہو، صاحب عظمت ہو، اس کے حسن سے انسان متاثر ہو تو اس کی کڑوی باتیں بھی

انسان برداشت کرتا ہے اور اس کی مشکل نصائح پر بھی عمل کرتا ہے۔ بعض دفعہ نصائح اتنے حسین رنگ میں پیش کی جاتی ہیں کہ کہنے والا کوئی بھی ہو، ان کو سن کر انسان ان سے متاثر ہو جاتا ہے۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کی صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ یہ لوگ کبھی بھی نصیحت سے بہروں والا سلوک نہیں کرتے اور نصیحت کرنے والوں سے اندھوں والا سلوک نہیں کیا کرتے۔

اس کا پہلے مضمون سے یہ گہرا تعلق ہے کہ نصیحت سننا اور نصیحت پر عمل کرنا کچھ تقاضے کرتا ہے۔ ہر انسان نصیحت پر عمل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا خصوصا وہ لوگ جو جھوٹے ہوں اور وہ لوگ جن کو لغویات کی عادت ہو، ان کے لئے نصیحت پر عمل کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ چنانچہ مجھے بعض احمدی خواتین کے خطوط ملتے ہیں جن کے خاوند نیک نہیں، ان کو دنیا کی دلچسپیوں کا زیادہ خیال ہے۔ بنسبت دین کی ذمہ داریوں کے۔ بعض ایسی نیک مائیں ہیں جو ان کے نیچے اس طرح زندگی بسر کرتی ہیں جس طرح حضرت آسیہ نے فرعون کے نیچے زندگی بسر کی تھی۔ گو وہ شدت نہیں لیکن کسی حد تک مضمون وہی ہے۔ جس کا کسی حد تک ان کی زندگی پر بھی اطلاق پاتا ہے۔ پس ایسی عورتیں جن کی زندگی کسی نہ کسی رنگ میں آسیہ سے مشابہ ہے وہ بڑے دردناک طریق پر مجھے خطوط لکھتی ہیں اور کہتی ہیں، ہم چاہتی ہیں بچوں کی اچھی تربیت کریں لیکن ہمارا ماحول ایسا ہے کہ جس میں ہمارے لئے بڑی مشکلات ہیں، خاوند نماز نہیں پڑھتا، خاوند فلاں چیز کا عادی ہے، خاوند فلاں بات کا عادی ہے۔ دنیا کی لغویات میں محو ہے اور بعض دفعہ جب میں آپ کا خطبہ سن کر بچوں کو سناتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ ان پر بہت گہرا اثر پڑا ہے تو میں کوشش کرتی ہوں کہ میرا خاوند بھی سنے اور اس پر بھی اثر پڑے۔ چنانچہ جب وہ آتا ہے تو میں کسی بہانے سے وہ خطبہ لگا دیتی ہوں لیکن یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا وہ دلچسپی نہیں لیتا وہ سنتا ہی نہیں وہ توجہ نہیں دیتا اور بعض دفعہ کہہ دیتا ہے کہ یہ بند کرو، یہ تم نے کیا لگایا ہوا ہے۔ تو قرآن کریم نے ان لوگوں کا نقشہ کھینچا ہے جو نصیحت سے متاثر نہیں ہو سکتے اور جن کو کوئی بات بھی خواہ نصیحت کرنے والا اچھا ہو یا اس کا ان کے ذہن میں کوئی وقار ہو یا بات اچھے رنگ میں پیش کی گئی ہو۔ اس قسم کی کوئی بات بھی ان پر اثر نہیں کرتی۔ گویا کہ وہ بہرے اور اندھے ہو جاتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ یہ اکثر وہ لوگ ہیں جو جھوٹے ہیں، جھوٹی گواہیاں دینے والے ہیں اور لغویات میں محو ہیں۔

پس جن لوگوں کی زندگی لغویات میں بسر ہو رہی ہو اور دنیا کی ادنیٰ اور گھٹیا دلچسپیوں میں ان کی تمام تر توجہ ضائع ہو رہی ہو، ان کو اچھی باتوں کے لئے وقت مل نہیں سکتا یا ملتا بھی ہے تو دلچسپی پیدا نہیں ہوتی۔ تو فرمایا کہ یہ میرے بندے جو ہیں جو سچی توبہ کرنے والے ہیں، نیک اعمال کرنے والے ہیں یہ ایسا نہیں کیا کرتے۔ یہ جب اچھی بات سنتے ہیں تو ان باتوں کی طرف دھیان دیتے ہیں اور پھر جب کوئی ایسا شخص ان سے گفتگو کرتا ہے جس کے لئے ان کے دل میں احترام ہو تو اور بھی زیادہ توجہ سے ان باتوں کو قبول کرتے ہیں۔ گویا کان تو وہ بات بتاتے ہیں جو سمجھ آ رہی ہے اور بیان کرنے والے کا مرتبہ اپنی ذات میں ان کو متاثر کرتا ہے اور بغیر سوال کئے کہ کیوں ہم ایسا کریں؟ اس کے احترام میں وہ بات کو قبول کرنے لگتے ہیں۔

اس میں ہمارے گھروں کی تربیت کے لئے بڑے گہرے راز ہیں۔ وہ ماں باپ جن کو بات کرنے کا سلیقہ نہ ہو، وہ ماں باپ جن کا اپنی اولاد میں کوئی وقار نہ ہو اور ایک خاص محبت اور احترام کا ان کو مرتبہ حاصل نہ ہو، ان کے بچے بہرے یا اندھے نہ بھی ہوں تب بھی ان کی نصیحتیں بے کار ہیں۔ پس حقیقت یہ ہے کہ دونوں باتوں کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ گھر میں والدین اچھی بات کرنے کا سلیقہ رکھتے ہوں اور ان کا ذاتی مقام اور مرتبہ ایسا ہو کہ اولاد کو ان سے گہرا تعلق ہو۔ اگر تعلق زیادہ ہوگا تو اپنے ماں باپ کے چہرے دیکھ کر ان چہروں کی خاطر ان کی باتیں مانیں گے اور اگر بات اچھی ہوگی اور وزنی ہوگی تو چہرہ دیکھے بغیر ہی بات اپنی ذات میں ان کو قائل کرنے کی اہلیت رکھتی ہوگی۔

پھر فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا یہ وہ لوگ ہیں جو محض اپنی کوششوں پر انحصار نہیں کرتے بلکہ جانتے ہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی نصرت شامل حال نہ ہو خدا تعالیٰ کی تائید ہمیں میسر نہ ہو، ہماری نصیحتیں اور اولاد کی اصلاح کی کوششیں سب بے کار جائیں گی۔ پس وہ خدا کے حضور یہ عرض کرتے رہتے ہیں کہ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے جوڑوں سے یعنی اگر عورت ہے تو اس کے لئے بھی زوج کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر مرد ہے تو اس کے لئے بھی زوج کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تو ہمیں اپنے زندگی کے ساتھیوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے۔

جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے یہ ضروری نہیں کہ لازماً میاں بیوی کے تعلقات اور خاندان کے حالات پر ہی اطلاق پاتی ہو وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کی دعا بہت ہی وسعت رکھتی ہے اور اس آیت کے ٹکڑے میں ایک ایسا عظیم اور گہرا مضمون بیان ہوا ہے کہ یوں لگتا ہے کہ عرفان کا دریا ایک کوزے میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ اور قرآن کریم میں کثرت سے ایسی آیات ہیں جن میں آپ یہ عجیب بات دیکھیں گے کہ پوری آیت اپنی ذات میں ایک مضمون کو بیان کر رہی ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اپنی ذات میں عرفان کا ایک سمندر لئے ہوئے ہیں اور اس آیت سے جس کا وہ ٹکڑا ہیں الگ کر کے بھی ان کو پڑھا جائے تو ابدی سچائیاں ان میں پائی جاتی ہیں جو دوسرے مضمون کی محتاج نہیں ہیں ہاں اس مضمون کو چار چاند لگانے کے لئے موتیوں کی طرح یا ہیروں اور جواہرت کی طرح اس میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ پس یہ جو مضمون ہے اس کو میں نے آئندہ اسی سلسلے میں ایک خطبے کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ وہ میں پھر بیان کروں گا۔ اس وقت میں گھریلو ذمہ داریوں کے متعلق ہی چند باتیں آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں جو اسی کلام الٰہی کی روشنی میں ہیں۔

فرمایا وہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں اپنی بیویوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کر۔ وہ خاوند جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ اکثر ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو اپنی بیویوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب نہیں ہوتی اور اس لئے وہ باہر دنیا میں بھاگتے ہیں اور اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ معاشرے میں کفو کی شادیاں نہ کرنا بھی اس کی ایک وجہ بن جاتی ہے۔ بعض دفعہ عورت اپنی ذات میں نہایت نیک اور سلجھی ہوئی اور وفادار اور خاوند کی خدمت کرنے والی اس کے حقوق ادا کرنے والی ہے لیکن اس شادی کا جوڑ ملانے والوں نے خاوند اور بیوی کے مزاج کا، ان کی عادات کا جوڑ نہیں ملایا۔ چنانچہ ایسا خاوند گھر سے باہر گھر محسوس کرتا ہے اور گھر کے اندر یوں لگتا ہے جیسے گھر سے باہر نکل گیا ہے اور گھر کے اندر کا ماحول اس کو اس طرح بے چین کرتا ہے جس طرح مچھلی پانی سے باہر آ گئی ہو۔ تو یہ ساری کیفیت بالکل الٹ جاتی ہے۔

حقیقت میں وہی گھر جنت بنتے ہیں جہاں انسان باہر سے جب لوٹتا ہے تو اسے سکون ملتا ہے۔ وہ اپنے بھاری کپڑے اتار کر ہلکے کپڑے پہنتا ہے اور یوں لگتا ہے اس کے سارے بوجھ اتر گئے

اور گھر کے پاکیزہ ماحول میں اسے ایک جنت ملتی ہے اور اگر وہاں اس کے لئے طبیعت اور مزاج کے خلاف باتیں ہوں تو وہ گھبرا جاتا ہے۔ایک یہ بھی وجہ بنتی ہے، ایک وجہ یہ بھی بنتی ہے کہ وہ خاوند شادی سے پہلے ہی بداخلاق ہوتا ہے۔اس کو باہر دنیا میں پھر کر اپنی طبیعت کے تقاضے پورے کرنے کی گندی عادت پڑی ہوتی ہیں اور اس کی نظریں بہک چکی ہوتی ہیں۔جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یہ کہا تھا کہ ہم ایک کھانے پر راضی نہیں رہ سکتے۔ایسے خاوند پھر ایک بیوی پر راضی نہیں رہ سکتے اور ایک سے زائد بیویوں کی ان کے اندر طاقت نہیں ہوتی نہ انصاف کر سکتے ہیں نہ وہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں اس لئے وہ بہکے ہوئے خاوند ہیں اور اکثر جو خطوط ملتے ہیں ان کا زیادہ تر اس کیفیت سے تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب تک دونوں فریق ایک دوسرے کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک نہ بنیں اس وقت تک یہ توقع رکھنا کہ اولاد سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوگی یہ ایک فرضی بات ہے اور اس میں ایک بہت ہی گہری حکمت بیان فرمائی گئی ہے جس کا انسانی نفسیات سے گہرا تعلق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ والدین جو ایک دوسرے سے آنکھوں کی ٹھنڈک پاتے ہیں ان کی اولادیں ہمیشہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنتی ہیں۔تربیت میں یک جہتی پائی جاتی ہے اور ایک ہی مزاج کے ساتھ بچے پرورش پا رہے ہوتے ہیں اور وہ ماں باپ جو ایک دوسرے سے سچا پیار کرنے والے اور ایک دوسرے کا ادب کرنے والے اور ایک دوسرے کا لحاظ کرنے والے، ایک دوسرے کی ضروریات کی طرف دھیان رکھنے والے اور اخلاق سے پیش آنے والے ماں باپ ہوتے ہیں ان کی اولاد بھی اپنے ماں باپ سے بھی پیار کرنے والی بنتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نسبتاً بہتر تعلقات قائم کرتی ہے اور ایسی اولاد پھر ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے۔تو قرآن کریم نے دعا میں بھی کیسی عمدہ ترتیب پیش نظر رکھی فرمایا پہلے یہ دعا کیا کرو کہ اے خدا! ہمیں ایک دوسرے کی آنکھوں کی ٹھنڈک تو بنا دے اور جب ہم ایک دوسرے کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گے تو پھر ہمارا یہ حق بنتا ہے کہ تجھ سے یہ التجا کریں کہ اگلی منزل بھی ہمیں عطا کر جو اسی مضمون کی بالائی منزل ہے۔یعنی پہلے ہمیں ایک دوسرے کی آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر پھر ہم اولاد کی طرف سے بھی آنکھوں کی ٹھنڈک پانے والے ہوں تو دو مضمون اوپر تلے بیان ہوئے ہیں اور ایک کا دوسرے سے ایسا تعلق

ہے جیسے ایک منزل کے اوپر ایک اور منزل تعمیر کر لی گئی ہو اور اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بالا خانے عطا کئے جائیں گے وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا اور وہ ان بالا خانوں میں تحائف پائیں گے تَحِيَّةً تحفے کو کہتے ہیں۔ یعنی ایسی نعمتیں پائیں گے جو ان کے اعمال کی جزا نہیں ہوں گی بلکہ اس کے علاوہ محض خدا کے فضل کے نتیجے میں انہیں نصیب ہوں گی۔ وَّسَلٰمًا اور سلامتی پائیں گے۔

آپ قرآن کریم کے تراجم میں جب اس آیت کا ترجمہ پڑھیں گے تو دو باتیں خاص طور پر دکھائی دیں گی۔ اول یہ کہ بالا خانوں کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے گویا واقعی ایک منزل کے اوپر دوسری منزل بنی ہے اور اس منزل میں وہ لوگ رہتے ہیں جو دوسری منزل ہے اور دوسرا یہ کہ اس کا تعلق جنت سے ہے اور اس دنیا سے تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ اولیں طور پر اس کا مضمون کا اس دنیا سے تعلق ہے اور بالا خانے سے مراد ہرگز ظاہری بالا خانہ نہیں ہے بلکہ اونچے مکان جس طرح اردو میں محاورے میں استعمال ہوتا ہے۔ اونچے مرتبے اور ہر زبان میں اونچا کا لفظ بلندی شان کے لئے اور ایک اعلیٰ مقام کے اظہار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی ظاہری معنوں میں اعلیٰ مقام نہیں بلکہ معنوی لحاظ سے اعلیٰ مقام ہے۔ پس بالا خانے سے مراد یہ ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو عزت اور شرف کے مکان ملتے ہیں پس جن کو بلند مراتب نصیب ہوتے ہیں اور یہی مکان ہیں جو دراصل رہنے کے مکان ہیں جن میں یہ لوگ رہتے ہیں کیونکہ ان صفات کے نتیجے میں وہ گھر بالا خانے بنتے ہیں خواہ وہ تہہ خانوں میں بسنے والے لوگ ہوں۔ پس چونکہ اس دنیا میں ہر نیک آدمی کو ظاہری طور پر بالا خانے نہیں ملتے اس لئے ترجمہ کرنے والے ظاہری ترجمے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور یہ تصور پیش کرتے ہیں کہ گویا مراد ظاہری مکانوں کی دوسری منزل ہے۔ اگر دوسری منزل مومنوں کی جزا ہے یعنی ظاہری طور پر دوسری منزل تو پھر تو امریکہ اور مغربی دنیا کے دوسرے ممالک جن میں سو سے بھی اوپر منازل بن گئی ہیں ان کے مرتبے تو ہم سے بہت بلند ہو گئے اور ان کو تو خدا نے اتنی جزا اس دنیا میں ہی دے دی کہ اس کا ہم گویا اگلی دنیا میں بھی تصور نہیں کر سکتے۔ یہ کیسا خدا ہے جو قرآن کریم پر عمل کرنے والے توبہ کرنے والے، نیک اعمال کرنے والے اور پھر ایسی ایسی پیاری دعائیں سکھا کر ان دعاؤں کے طلب گاروں کو یہ جزا دیتا ہے کہ اے خدا اس دنیا میں ہمیں تو چلو تو نے ٹوٹے پھوٹے مکان دے دیئے کوئی بات

نہیں۔ زمین کی سطح پر گھسٹ گھسٹ کر زندگیاں گذاریں، کم سے کم اگلی دنیا میں ہمیں دوسری منزل دے دینا۔ ہرگز ہرگز کسی قیمت پر یہ مضمون قرآن کریم کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا اور قرآن کریم کی شان کو گھٹانے والا مضمون ہے۔ اس لئے بالا خانہ ہمیشہ روحانی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور لفظ بالا خانہ استعمال کرنا پڑے گا کیونکہ عربی میں بھی یہ بالا خانے کے طور پر ہی استعمال ہوا ہے لیکن اس کے معنی ہمیشہ یہی سمجھیں کہ عزت اور شرف کے بلند مقامات اور دنیا میں بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یقیناً ہوتا ہے۔ یہ خیال کر لینا کہ یہ جنت کے وعدے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ جنت کے وعدے بھی ہیں لیکن حقیقت میں اس جنت کا آغاز اس دنیا سے ہوگا اور یہی قرآن کریم کی مراد ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مترجمین نے اور مفسرین نے اگلی آیت کے ایک لفظ سے دھوکا کھایا، جس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے خٰلِدِیْنَ فِیْهَا کہ یہ لوگ اس حالت میں ہمیشہ رہیں گے اور سمجھے کہ یہ ہمیشگی کی زندگی تو جنت میں مل سکتی ہے۔ اس لئے یہ وعدہ جو کیا جا رہا ہے انعام کا، اس کا تعلق اس دنیا سے نہیں بلکہ آئندہ دنیا سے ہوگا۔ حالانکہ اس مضمون کو قرآن کریم کی اسی آیت نے اگلے حصے میں کھول دیا تھا اور فرمایا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا یہ وہ جگہ ہے جو عارضی قیامگاہ کے طور پر بھی اچھی ہے اور مستقل قیامگاہ کے طور پر بھی اچھی ہے۔ جنت تو عارضی قیامگاہ ہے ہی نہیں۔ اس لئے خٰلِدِیْنَ کا ایسا ترجمہ کرنا جو اسی آیت کے اگلے حصے کے مخالف ہو یہ درست نہیں ہے۔ ہاں ایک پہلو سے اگر دیکھا جائے تو اس آیت کو دونوں دنیاؤں پر چسپاں کیا جائے تو مضمون خوب کھل جاتا ہے اور بہت ہی حسین مضمون ابھرتا ہے۔ خٰلِدِیْنَ کا پہلا معنی یہ ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی گھروں کی جنتوں کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی ساری زندگی امن اور سکون سے کٹے گی اور کبھی یہ نہیں ہوگا کہ کچھ عرصے کے بعد بیویوں کے دل خاوندوں سے بھر جائیں اور خاوندوں کے بیویوں سے بھر جائیں گے اور ان کی جنت جو ہے جہنم میں تبدیل ہو جائے گی وہ ایسے نیک لوگ ہیں جن کے گھر ہمیشہ ان کے لئے بالا خانے بنے رہیں گے یعنی عزت اور شرف کا مقام بنے رہیں گے اور ان سے اس دنیا میں اس مقام کو کوئی نہیں چھین سکے گا اس پر یہ دوام پائیں گے۔ دوسرا خٰلِدِیْنَ کا معنی پہلی آیت کے دوسرے حصے سے تعلق رکھتا ہے۔ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا فرمایا ان کی اولادوں کے لئے بھی یہ دعائیں سنی جائیں گی اور نسلاً بعد نسلٍ یہ جنت تو ان میں چلتی چلی جائے گی۔ پس خالد سے مراد ہمیشہ

کی زندگی ہی نہیں بلکہ لمبے عرصے تک رہنا یا لمبی زندگی پانا بھی لفظ خالد کے تابع ہے۔ اس مضمون کے اندر داخل ہے تو اس دنیا کے تعلق میں اس کے دو معنی ہوں گے

ایک یہ کہ وہ میاں بیوی جو اس قسم کے ہیں اور ان کی اولاد جوان دعاؤں کا پھل ہے ان لوگوں کا گھر ہمیشہ جنت نشان بنا رہے گا جنت کی آماجگاہ بنا رہے گا اور ان کی نیکیوں اور ان کی سکینت میں ایک دوام پایا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ ان کے ساتھ یہ گھر ختم نہیں ہو جائیں گے۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا کیونکہ جن ماں باپ نے اپنی اولاد کو بھی متقی بنالیا ہو اور ان کے لئے اس قسم کی دعائیں کرتے رہے ہوں کیسے ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی آنکھیں بند کرنے کے بعد ان کی اولاد کو دھتکار دے پس لازم ہے کہ جنت کی یہ نشانیاں ان گھروں میں نسلاً بعد نسلٍ چلتی رہیں گی اور مُقَامًا کے لحاظ سے دوسرے معنی بھی اس میں پائے جاتے ہیں کہ ان کو اس دنیا میں بھی یہ جنت نصیب ہوگی اور دوسری دنیا میں بھی جنت نصیب ہوگی اور عارضی ٹھکانہ بھی ان کا جنت ہوگا اور مستقل ٹھکانہ بھی جنت ہوگا۔ یعنی مرنے کے بعد پھر ان کو ہمیشگی کی وہ جنت بھی مل جائے گی جس کا تصور ہم عموماً دوسری دنیا کے تعلق میں باندھتے ہیں۔

پھر فرمایا قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ تمہاری تمہارے رب کو کچھ بھی پرواہ نہیں اگر تمہاری دعائیں نہ ہوں فَقَدْ کَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یَکُوْنُ لِزَامًا تم نے دعاؤں کی اہمیت کو جانا نہیں ان کی بے قدری کی ہے۔ اس مضمون کو بھلا بیٹھے ہو۔ پس اس کے نتیجے میں جو برائیاں تمہارے حصے میں آئیں گی وہ تمہیں چمٹ جانے والی ہوں گی اور خٰلِدِیْنَ کے مقابل پر لِزَامًا رکھا گیا ہے۔ وہاں خوبیاں چمٹ جانے والی تھیں اور ہمیشگی اختیار کرنے والی خوبیاں تھیں۔ ان لوگوں کے لئے جن کا ذکر پچھلی آیات میں گزرا ہے اور ان لوگوں کے لئے جن کا منفی ذکر پچھلی آیات میں گزرا ہے اور وہ دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد نہیں مانگتے ان کے متعلق فرمایا کہ ان کی برائیاں ان کو چمٹ کر ہمیشہ ساتھ رہنے والی ہوں گی اور وہ برائیاں ان کی نسلوں میں بھی چمٹی رہیں گی اور آئندہ آنے والی نسلوں میں بھی چمٹی رہیں گی یعنی ایک بدگھر دوسرے بدگھر کو جنم دے گا۔ پھر وہ نسل اگلی بدنسل کو جنم دے گی اور اس طرح یہ گندگیاں اور یہ بدیاں معاشرے میں بڑھتی چلی جائیں گی اور آئندہ نسلوں میں پھیلتی چلی جائیں گی تو اس آخری ٹکڑے میں پچھلی تمام آیات کا خلاصہ مثبت رنگ میں

بھی پیش فرما دیا اور منفی رنگ میں بھی پیش فرما دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اپنی کوششوں پر انحصار کبھی نہ کرنا یہ ایسا تکبر ہے **جو خدا کو پسند نہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ تربیت اولاد کے سلسلے میں محض انسانی کوشش کام نہیں دے سکتی**۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں اور تربیت کا مضمون ایسا ہے جو اتنا وسیع ہے اور اتنا پھیلا ہوا کہ ناممکن ہے کہ کوئی ماں باپ اپنی کوششوں پر انحصار کرتے ہوئے اپنے بچوں کی اعلیٰ تربیت کی ضمانت دے سکے۔

آج کل جو سائنس دان اس مضمون پر غور کر رہے ہیں وہ تو اس مضمون کے اندر اتنا گہرا اتر چکے ہیں کہ ان میں سے بعض یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ گویا تربیت کا تعلق خالصۃً ان Coded Messages میں ہے ان پیغامات میں ہے جو کمپیوٹر کی طرح انسانی نسل کے خلیوں میں درج شدہ ہیں اور جو Gene جس قسم کا کردار بنانے والی ہے وہ ویسا ہی کردار بنائے گی اور انسان جو چاہے کرے بد بد ہی رہیں گے اور گویا نیک نیک ہی رہیں گے یہ ایک طرف کا حد سے زیادہ جھکاؤ ہے اور یہ غیر متوازن نظریہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ دوسری بعض لوگ کہتے ہیں Genes کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے۔ ہمارا معاشرہ ہے جو ہمیں جو کچھ چاہے بنا دیتا ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ماں باپ کی ابتدائی تربیت کا بہت حد تک دخل ہوتا ہے امر واقعہ یہ ہے کہ سارے امور ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں حادثات کا بھی دخل ہوا کرتا ہے۔ ایک بچہ اتفاق سے بچپن میں سر کے بل گرتا ہے اور ایسی چوٹ پہنچ جاتی ہے کہ جس کے نتیجے میں اگر وہ پاگل نہ ہو تو مزاج بگڑ جاتا ہے اور بعض ایسے بچے باغیانہ مزاج رکھتے ہیں اور لڑتے رہتے ہیں اور بعض ایسے بچے عادات کے لحاظ سے اس طرح بگڑ چکے ہوتے ہیں کہ ان کے ماں باپ یا کسی اور کا ان پر بس نہیں ہوتا۔ پھر اور قسم کی بیماریاں ہیں جو بچوں کو مفلوج کر دیتی ہیں۔ بعض ذہن پر اثر کرتی ہیں بعض جسم پر اثر کرتی ہیں۔ تو تربیت کا مضمون اتنا وسیع ہے کہ اگر کوئی ہوشمند انسان اس مضمون کی وسعت پر نگاہ ڈالے تو ناممکن ہے کہ اس کے دماغ میں یہ تکبر کا کیڑا داخل ہو سکے کہ ہم اگر توبہ کر لیں، ہم اگر اچھے ہو جائیں، ہم نیک اعمال کریں، اپنے بچوں کی نگرانی کریں تو بچے ضرور اچھے ہوں گے۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ نیک تو وہ نہیں ہو سکتے کیونکہ غیر نبی کو نبی پر کلی فضیلت نہیں ہو سکتی۔ حضرت نوحؑ سے زیادہ اعمال صالحہ بجالانے والے نہیں ہو سکتے کیونکہ نبیوں

میں بھی حضرت نوحؑ کا ایک غیر معمولی مقام ہے ایک نبی کی خاطر اور اس کے چند ماننے والوں کی خاطر ساری قوم کو ہلاک کر دینا ایک منفی پہلو رکھتا ہے اور ایک مثبت پہلو رکھتا ہے۔ اس سے بڑی حضرت نوحؑ کی صالحیت کی گواہی نہیں دی جاسکتی کہ خدا تعالیٰ نے اس ایک پاک بندے کے لئے اور اس کے چند ماننے والوں کے لئے اپنے غضب کا ایک ایسا عظیم نشان دکھایا ہے کہ گویا ساری قوم کی ان کے مقابل پر کوئی بھی حیثیت نہیں اور جب حضرت نوحؑ کا ظاہری بیٹا ڈوبنے لگا یعنی ظاہری بیٹا تو وہاں اس مضمون کو خوب کھول کر بیان کر دیا کہ ہم کیوں تجھے بچا رہے ہیں اور کیوں ان کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فرمایا کہ یہ بیٹا جو ہے یہ صالح اعمال نہیں رکھتا تو تیرا کیا خیال ہے کہ ہم تیری خاطر تجھے بچا رہے ہیں اور دنیا کو ہلاک کر رہے ہیں۔ ہم تو تیرے اعمال صالح کی خاطر، ان کو بقا دینے کے لئے، ان کی ہمیشگی کی زندگی دینے کی خاطر تجھے اور تیرے ساتھیوں کو بچا رہے ہیں اور جو ان اعمال صالحہ سے خالی ہیں ان کو ہلاک کر رہے ہیں تو یہ بیٹا تیرا بیٹا کیسے ہو گیا جو اعمال صالحہ کی حفاظت میں اور ان کو بقاء دینے کے لئے تیرے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں رکھتا بلکہ کاٹا جا چکا ہے۔ پس حضرت نوحؑ کے متعلق یہ عظیم الشان گواہی خود بتاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل صالح میں ایک بہت ہی بلند اور بالا اور ارفع مقام تھا۔ پس اس کے باوجود وہ بیٹا آپ کے زیر نظر، آپ کی آنکھوں کے سامنے غیر صالح کے طور پر بڑا ہونا شروع ہوا۔ اس کے بعد دنیا کا کون صالح انسان یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میری نیکی جو ہے وہ لازماً میری تمام اولاد کو بچالے گی۔ اس لئے نیکی اپنی انتہا کو بھی پہنچی ہو اور خدا کے ہاں قبولیت کی سند پا چکی ہو، اس کے باوجود ایسے حادثات ہو سکتے ہیں۔ اس لئے عجز کا مقام یہ ہے کہ انسان دعائیں کرے اور خدا تعالیٰ کے حضور ہمیشہ یہ عرض کرتا رہے کہ اے خدا! تو ہی ہے جو چاہے تو ہم میاں بیوی کو ایک دوسرے سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہماری اولاد کو متقی بنا دے کیونکہ ایسی اولاد کا امام بننا، یہاں امام سے مراد باپ کا یا ماں کا معنی رکھتا ہے یعنی دونوں کی چونکہ مشترکہ دعا ہے اس لئے ماں بھی امامت میں شامل ہے اور باپ بھی امامت میں شامل ہے تو مراد یہ ہے کہ اے خدا! ہمیں ان نسلوں کا ماں باپ بنا جو متقی ہوں اور ان کے بغیر ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب نہیں ہوگی۔

اس میں تربیت کرنے والوں کے لئے ایک اور معرفت کا نکتہ بیان فرما دیا۔ جس کو بھلا کر

لوگ پھر تربیت میں بے شمار غلطیاں کرتے ہیں۔ فرمایا اگر تمہیں تقویٰ کے سوا کسی اور چیز میں آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوئی تو یاد رکھنا کہ نہ تمہارے حق میں یہ دعا قبول ہوگی، نہ تم اولاد کی تربیت کے اہل بنو گے۔ اگر تم آنکھوں کی ٹھنڈک ان کی دنیاوی ترقیوں میں ہی دیکھ رہے ہو، اگر تمہیں اس بات پر فخر ہے کہ بیٹی سنگھار پٹارا اچھا کرتی ہے یا کپڑوں میں اس کا ذوق اچھا ہے۔ یا اس کی سہیلیاں زیادہ ہیں یا دنیا کے لحاظ سے بلند مقام رکھتی ہے اور ہر دلعزیز ہوتی چلی جارہی ہے اور پڑھائی میں بہت اچھی ہے اور ان باتوں پر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور تم اس کے اوپر وارے وارے جاتے ہو اور کہتے یہ دیکھو ہماری بیٹی گھر میں آ گئی ہے آج اس نے یہ کیا، آج وہ کیا اور تمہیں دل کا سکون انہیں باتوں میں نصیب ہو گیا تو تم پھر یہ دعا کیسے کرو گے کہ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کیوں مانگی گئی ہے؟ آنکھوں کی ٹھنڈک اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا تقویٰ سے تعلق باندھ دیا گیا اور فرمایا خالی منہ سے دعائیں کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک اس مضمون پر تم عمل کرنے والے نہ ہو۔ یہ مضمون تمہاری زندگیوں کا حصہ نہ بن چکا ہے پس اگر واقعی اولاد کی نیکی دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اگر اولاد کی نیکی دیکھ کر ان کی راہوں میں آنکھیں بچھنے لگ جائیں اور انسان کا دل خوشیوں سے بلیوں اچھلنے لگے اور خوشی کے ساتھ سجدہ ریز بھی ہو جائے کیونکہ روحانی دنیا میں یہ کیفیت اکٹھی پائی جاتی ہے خوشی سے دل اچھلتا بھی ہے اور خدا کے حضور سجدہ ریز بھی ہو جاتا ہے تو پھر تم یہ دعا مانگ سکتے ہو کہ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اے خدا! ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کر اور تقویٰ والی اولاد عطا کر۔ اس کے بغیر تمہاری اپنی خواہشات اور اپنی تمنائیں تو دنیا کے رستوں پر چل رہی ہوں اور اپنی اولاد کی دنیا کی ترقیات سے تم راضی ہو چکے ہو اور اگر وہ عبادت نہیں کرتے تو تمہیں دکھ نہ ہوتا ہو۔ اگر وہ نیکیاں اختیار نہیں کرتے تو تمہیں تکلیف نہ ہو اگر وہ جھوٹ بولنے لے ہوں تو تمہارے دل عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اگر وہ لغویات میں ایسے محو ہوں کہ ذکر الٰہی کے مقابل پر لغویات کو اہمیت دینے والے ہوں تو پھر تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک غیر متقین میں ہے اور تمہاری یہ دعائیں بالکل کھوکھلی ہو جائیں گی۔

پس وہ لوگ جو بعض دفعہ یہ شکایت کرتے ہیں کہ جی! ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں آپ ہمارے لئے دعا کریں۔ بعض دفعہ تو ایسے لوگوں کے لئے دوسروں کی دعائیں کارآمد ثابت ہوتی ہیں مگر ایسے مضمون میں جو میں بیان کر رہا ہوں غیر کی دعا کام نہیں آسکتی کیونکہ انسان کے اپنے اعمال اور

اپنی نیتوں کے رخ ان دعاؤں کے خلاف عمل کرنے والے ہوتے ہیں، ان کو جھٹلانے والے ہوتے ہیں۔ دعائیں اور سمت میں ان کو لے جانے کی کوشش کرتی ہیں اور وہ دعاؤں کی مخالف سمت میں زور لگا کر آگے بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ ان کا یہ دعا کرنا کہ یہ دعائیں اڑاتے ہوئے ہمیں ان سمتوں میں لے جائیں جو تیری طرف لے جانے والے رخ ہیں یہ کیسی بے معنی اور لغو بات ہوگی حقیقت میں یہ دعا سے مذاق کرنے والی بات ہوگی۔ پس خدا تعالیٰ نے ان آیات میں جو بے شمار خزانے حکمت کے مدفون فرمائے ہیں ان کو آپ ٹٹولیں تو آپ کو عرفان کے نئے نئے موتی ملتے چلے جائیں گے اور ان کا تربیت اولاد کے ساتھ اور تربیت قوم کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

پس اپنی اولاد میں نیکی دیکھ کر خوش ہوا کریں اور دنیا کی ترقیات کو سرسری نظر سے دیکھا کریں۔ ہو جائیں تو ٹھیک نہ ہوں تو وہ غم کی بات نہیں لیکن اگر نیکی نہ ہو تو غم میں گھل جانا اور ایسی تکلیف محسوس کرنا کہ اولاد دیکھ لے کہ ہمارے ماں باپ ناخوش ہو گئے ہیں اور تکلیف میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ وہ جذبہ ہے جو حقیقت میں آپ کی دعاؤں کو طاقت دے گا۔ وہ عمل صالح جس کے متعلق فرمایا ہے کہ کلمہ طیبہ کو رفع عطا کرتا ہے جس سے کلمہ بلند ہوتا ہے وہ یہی مضمون ہے جو بیان کیا گیا ہے کہ ہر دعا کے ساتھ اس سے تعلق رکھنے والا اس کا ایک جوڑا نیک عمل ہوا کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ چند نیک اعمال ہوں تو سب دعائیں مقبول ہوں یا کسی دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ تمام تر نیک اعمال ہوں۔ یہاں مضمون جوڑوں کا بیان ہو رہا ہے اور جیسا کہ میاں بیوی کے اچھے جوڑے جو ایک دوسرے کے مزاج سے موافقت رکھتے ہوں دنیا میں پائے جائیں یا پائے جاتے ہیں تو ساتھ ہی وہاں سکینت بھی ملتی ہے۔ اسی طرح دعاؤں اور اعمال کے بعض جوڑے ہیں جہاں یہ جوڑے پائے جائیں گے وہاں قبولیت دعا کا مضمون ضرور موجود ہوگا۔ پس جس قسم کی آپ دعا مانگتے ہیں اگر آپ کا عمل اس دعا سے مطابقت رکھنے والا عمل صالح ہے تو یقین رکھیں کہ ایسی دعا ضرور رفع پائے گی کیونکہ قرآن کریم نے اس کے متعلق یہی گواہی دی ہے اور ضرور مقبول ہوگی اس لئے محض رونا اور سجدوں میں پیشانیاں رگڑنا دعاؤں کے لئے کافی نہیں ہے۔ آپ کے اعمال اور رخ پر چل رہے ہوں اور سجدے اور رخ پر جا رہے ہوں یہ تضاد خدا کو قبول نہیں ہے۔ بعض دفعہ جن کی خواہشات ان کے نیک اعمال کے مطابق ہوں ان کو لمبی دعاؤں کی بھی احتیاج نہیں ہوتی ان کی

ایک آہ ہی دعا بن جاتی ہے۔

اگر ایک ماں باپ ایسے ہیں جو ہر وقت اپنی اولاد میں نیکی تلاش کرتے ہیں اور نیکی نظر نہ آئے تو ان کے دل سے آہ نکلتی ہے وہی آہ ان کی دعا ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس پر محبت اور پیار کی نظر ڈالتا ہے اور وہ جو دنیا پر راضی ماں باپ ہیں وہ بعد میں اپنی اولاد کو جب بے راہ رو ہوتے دیکھتے ہیں، ان کی لڑکیاں غیروں کے ساتھ بھاگ رہی ہیں، ان کے لڑکے ہاتھوں سے نکل رہے ہیں تو پھر وہ روتے ہیں پیٹتے ہیں اور دعاؤں کے لئے لکھتے ہیں یہ ساری بے حقیقت باتیں ہیں۔ جس طرح دنیا کے مضمون میں سائنس کا معنی ہے حقیقت اور حقیقت کو تصورات تبدیل نہیں کر سکتے۔

وہی خدا ہے جس نے روحانی دنیا پیدا کی ہے وہاں بھی ایک سائنس کا مضمون ملتا ہے اور سائنسی حقائق کے طور پر باتیں پائی جاتی ہیں۔ محض جذباتی اور تصوراتی طور پر آپ اس میں کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں ایک اور مضمون وہاں بالا خانوں کا ملتا ہے جس کا مطلب یہ ہے جب تم اپنا سب کچھ کر دو گے تو پھر خدا کے فضل کے نتیجے میں تم وہاں تَحِیَّۃً پاؤ گے۔ ایسے ارفع اور بلند مقامات تمہیں نصیب ہوں گے جہاں تمہاری کوششوں کا پھل تو ضرور ملے گا لیکن اس کے علاوہ خدا کی طرف سے تحائف بھی بہت ملیں گے۔ ایسے تحائف جو محض اس کے فضل کے نتیجے میں عطا ہونے والے ہیں۔ پس ہم نے چونکہ سب دنیا میں اپنی اولاد کی تربیت کرنی ہے اور آئندہ بہت لمبے عرصے تک اپنی نسلوں کو خٰلِدِیْنَ فِیْھَا کے مطابق بنانا ہے۔ یعنی خدا کا یہ وعدہ کہ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اس کے متعلق ہم نے کوشش کرنی ہے کہ ہماری نسلوں کے حق میں بھی یہ وعدہ پورا ہو اور وہ ان اعلیٰ اور بلند اور ارفع مقامات پر ہمیشہ رہنے والے بن جائیں۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ وہ زندگی اختیار کریں اور تربیت کے وہ رنگ ڈھنگ سیکھیں جو قرآن کریم نے ہمارے سامنے کھول کھول کر مضمون بیان فرمائے ہیں اور کھول کھول کر ہمیں تربیت کے طریقے سکھا دیئے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں احسن توفیق عطا فرمائے۔ اس مضمون کا جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے صرف ماں باپ اور اولاد سے تعلق نہیں ہے بلکہ یہی مضمون اپنی وسعتوں میں نظام جماعت سے تعلق رکھنے والے ہر عہدیدار پر بھی صادق آتا ہے ہر امیر پر صادق آتا ہے ہر مربی پر صادق آتا ہے اور وہاں یہ مضمون اور کئی لحاظ سے وسعت اختیار کر جاتا ہے اگر چہ اتنے وسیع مضمون کو سمیٹنا تھوڑے وقت میں ممکن تو نہیں ہوتا لیکن میں

کوشش کروں گا کہ اس کے دوسرے پہلو کو آئندہ کسی خطبے میں پھر بیان کروں۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا:

آج چونکہ خدام الاحمدیہ کا اجتماع ہے اور قائد صاحب نے فرمایا ہے کہ نماز جمعہ کے بعد انہوں نے خدام کو لے کر اسلام آباد جانا ہے اس لئے نمازیں جمع ہوں گی یعنی عصر کی نماز جمعہ کے معاً بعد جمع ہوگی۔